حجیت حدیث
عقلی دلائل کی روشنی میں

پروفیسر ظفر احمد☆

الف: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول وفعل بھی معاذ اللہ حجت (اتھارٹی) نہیں تو قرآن کریم اور رسول اکرم ﷺ پر ایمان ممکن ہی نہیں، کیوں کہ قرآن کریم کا کتاب اللہ ہونا اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رسول ہونا آپ ہی کے قول سے تو معلوم ہوا۔

اگر یہ کہا جائے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اقوال وافعال تو حجت ہیں اور بعض نہیں تو آپ کے جو اقوال وافعال (معاذ اللہ) حجت نہیں، یا وہ قرآن کریم کے مطابق ہوں گے یا مخالف ومعارض ہوں گے، اگر کتاب اللہ کے مطابق ہیں تو انہیں حجت قرار دینے سے خود قرآن کریم کا انکار لازم آیا۔ اگر یہ اقوال افعال کتاب اللہ کے معارض ومخالف ہیں تو یہ اختلاف یا محض ظاہری اور صوری ہوگا، حقیقی نہ ہوگا یا حقیقی ہوگا۔ پہلی صورت میں ان اقوال وافعال کو حجت تسلیم نہ کرنے سے قرآن کریم کا انکار لازم آیا، کیوں کہ ظاہری اور صوری اختلاف دراصل اختلاف ہوتا ہی نہیں۔ ایسے اقوال وافعال کی کتاب اللہ سے تطبیق ممکن ہوگی اور ان اختلافات کی معقول اور مناسب توجیہ اور تاویل مشکل نہ ہوگی۔ اگر یہ تعارض واختلاف حقیقی ہے، جسے دور نہ کیا جا سکے اور ان اقوال وافعال کی کتاب اللہ سے تطبیق کسی طرح بھی ممکن نہ ہو اور نہ ہی کوئی معقول توجیہ ہو سکے، تو کتاب اللہ سے معارض ومخالف ایسے اقوال وافعال باطل ہوں گے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اقوال وافعال باطل تھے۔ اس صورت میں آپ کے کسی بھی قول وفعل کا اعتبار نہ رہا، سب مشتبہ ہو گئے، لہٰذا قرآن کریم پر بھی ایمان ممکن نہ رہا۔ الغرض حدیث کا انکار دراصل قرآن کریم ہی کا انکار ہے۔ انکارِ حدیث کے ساتھ قرآن کریم

☆ جتوئی، ضلع مظفر گڑھ

پر ایمان کا دعویٰ سراسر فریبِ نفس ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ بعض اقوال وافعال جو (معاذ اللہ) حجت نہیں، وہ نہ تو کتاب اللہ کے مطابق ہیں اور نہ ہی اس کے مخالف ومعارض ہیں بل کہ کتاب اللہ پر زائد ہیں، یعنی ان کے متعلق قرآن کریم میں کوئی واضح امر یا نہی موجود نہیں، بل کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اقوال وافعال کا قرآن کریم سے استنباط فرمایا ہے، تو استنباط (مسائل اخذ کرنے) کے لئے کوئی بنیاد بھی تو ہونی چاہئے۔ مثلاً نمازوں کی رکعات اور ان کی تعداد، زکوٰۃ کی ڈھائی فیصد شرح، عید الفطر کے لئے یکم شوال اور عید الاضحیٰ کے لئے دس ذوالحجہ، حج کے مہینوں اور مناسک حج کے مخصوص ایام کا تعین وغیرہ وغیرہ لاتعداد ایسے مسائل ہیں کہ دنیا بھر کے عقلا جمع ہو کر بھی قرآن کریم سے ان مسائل کو اخذ نہیں کر سکتے، پس ثابت ہوا کہ آپ کے اقوال وافعال بھی وحی ہیں، بالفاظ دیگر حدیث رسول حجت ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ مذکورہ طرز کی جزئیات کا علم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہ ذریعہ وحی نہیں ہوا، بل کہ آپ نے اپنی رائے اور عقل سے انہیں معلوم کیا ہے تو آپ کو ایسا کرنے کی اجازت اللہ تعالیٰ نے دی ہوگی یا نہیں دی ہوگی۔ اگر اجازت نہیں دی تو قرآن کریم میں ہے:

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَالَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ (۱)

کیا ان کے ایسے شریک بھی ہیں جنہوں نے ان کے لئے دین کی وہ باتیں وضع کیں جن کا حکم اللہ نے نہیں دیا۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی کو بھی از خود شرعی مسائل وضع کرنے کا ہرگز اختیار حاصل نہیں ہے۔ شارع حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شارع (قانون ساز) بہ طور اسناد مجازی کہا جاتا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے معلوم کر کے شرعی مسائل لوگوں کو بتاتے ہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ مذکورہ طرز کی جزئیات وضع کرنے کی اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دے دی تھی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو فکری واجتہادی غلطی سے محفوظ رکھنے کا اہتمام بھی فرمایا تھا، تو ثابت ہوا کہ دین کے متعلق آپ کے قلب مبارک میں جو خیال بھی آیا وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے اور غلطی سے محفوظ ہونے کی بنا پر حجت (اتھارٹی) بھی ہے۔ چناں چہ قرآن کریم سے ثابت ہے کہ پیغمبر پر وحی کا نزول ہمیشہ ارسال ملک یعنی فرشتہ بھیجنے کے ذریعے نہیں

ہوتا بل کہ فرشتہ بھیجے بغیر بھی ہوتا ہے۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْمِنْ وَّرَآىِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلاً (۲)

کسی بشر کے لائق نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر بہ ذریعہ وحی یا پردے کے پیچھے سے (کلام کرے گا) یا (اس مقصد کے لئے اپنے) ایلچی (فرشتے) کو بھیجے گا۔

اس آیت میں پیغمبر پر نزول وحی کی تین صورتیں مذکور ہیں۔

پہلی صورت فرشتہ بھیجے بغیر وحی کی ہے۔

دوسری صورت پس پردہ کلام کی ہے جیسے کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام ہوا۔ معراج کے موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام ہوا۔

تیسری صورت فرشتہ بھیج کر وحی نازل کرنے کی ہے۔

قرآن کریم سے ثابت ہے کہ پیغمبر کا خواب بھی وحی ہوتا ہے، چناں چہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے صاحب زادے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے فرمایا تھا۔

يٰبُنَيَّ اِنِّيْ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَاتَرٰى (۳)

اے میرے بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کرتا ہوں، تو دیکھ تیرا کیا خیال ہے؟

اسی طرح پیغمبر کے قلب مبارک میں دینی امور کا القا بھی وحی ہے خواہ بہ واسطۂ ملک ہو یا بلا واسطہ ملک ہو۔

اگر یہ کہا جائے کہ ان جزئیات کا تعین گو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باذن الٰہی کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو فکری خطا سے محفوظ رکھنے کا کوئی انتظام نہ فرمایا تھا، لہٰذا آپ کی طے کردہ جزئیات وحی نہیں، بل کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمانوں کا حکم ران اعلیٰ ایسی جزئیات از خود یا لوگوں کے مشورے سے وضع کرنے کا مجاز ہوگا، تو اس صورت میں اولاً تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معصوم عن الخطاء ہونا قرآن سے ثابت ہے۔ سورہ نساء میں ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (۴)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے اولوالامر (حکام وعلماء) کی اطاعت کرو پھر اگر تمہارا کسی معاملے میں (ان علماء وحکام) سے جھگڑا ہو جائے تو اس (معاملے) کو اللہ اور رسول (قرآن وسنت) کی طرف لوٹاؤ، اگر تم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔

دیکھئے یہاں غیر مشروط اطاعت صرف اللہ اور رسول کی ہے اسی لئے اللہ اور رسول سے تو کسی تنازعے کی نہ گنجائش ہے نہ ایسا کوئی سوال ہی پیدا ہوتا ہے۔ پس آیت سے رسول کا معصوم عن الخطاء ہونا ثابت ہوا تب ہی تو رسول کی اطاعت غیر مشروط ہے، جب کہ اولوالامر معصوم عن الخطاء نہیں، اسی لئے ان سے اختلاف رائے کی گنجائش موجود ہے اور اس جھگڑے اور اختلاف کے فیصلے کے لئے اللہ ورسول (قرآن وسنت) کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ یہاں منکرین حدیث نے اللہ اور رسول سے جو نام نہاد ''مرکزِ ملت'' مراد لیا ہے اس پر آئندہ سطور میں بحث ہوگی۔

ثانیاً اس صورت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہی (معاذ اللہ) سرے سے بے کار ٹھہرتی ہے۔ قرآن کریم کو کسی بھی کھلے میدان میں ڈال دیا جاتا۔ لوگوں کو چاروں طرف سے غیبی آوازوں کے ذریعے مطلع کر دیا جاتا کہ اسے قبول کرو۔ ہم نے کلیات بیان کر دیئے ہیں ان کے تحت ہر دور میں تمہارے حکم ران (بہ قول منکرین حدیث ''مرکز ملت'') جزئیات وضع کرنے کے ازخود یا اپنے ساتھیوں کے مشورے سے مکمل مجاز اور آزاد ہوں گے۔

ثالثاً اگر حکم ران اعلیٰ کو قرآن کریم میں بیان کردہ کلیات کے تحت جزئیات وضع کرنے کا اختیار حاصل ہے تو قرآن کریم میں کسی بھی جزئیے کی بیان کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی، بل کہ کلیات کی بھرمار کی بھی کیا ضرورت تھی؟ مثلاً یہی ایک آیت بہ طور کلیہ کافی تھی:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِO (۵)

میں نے جن وانس کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔

جن وانس کی زندگی کے واحد مقصد کو واضح کرنے والی یہ آیت واحد کلیے کا کام دیتی اور نام نہاد مرکز ملت کو ازخود یا لوگوں کے مشورے سے جزئیات طے کرنے میں مکمل آزاد چھوڑ دیا جاتا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت کچھ جزئیات قرآن کریم میں بیان کر دیں اور باقی ''مرکزِ ملت'' کے لئے چھوڑ دیں، تاکہ وہ اپنی من مانی کر سکے، تو ہمارا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ کے تحت کچھ جزئیات قرآن کریم میں بیان کر دیں، دیگر بہت سی

جزئیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادیں اور نئے پیش آمدہ مسائل میں ہر دور میں مجتہدین اور فقہا نے قرآن وسنت سے اخذ کر کے بیان کردیں۔ اس سے کسی بھی حکم ران اعلیٰ یا نام نہاد مرکز ملت کو یہ اختیار نہیں مل گیا کہ وہ خود یا دوسروں کے مشورے سے جزئیات وضع کرتا پھرے اور یہ جزئیات آئے دن بدلتی رہیں۔ لہٰذا یہ شبہ صحیح نہیں کہ اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طے کردہ جزئیات دائمی ہوتیں تو یہ قرآن کریم میں مذکور ہوتیں۔ قرآن کریم میں بار بار لوگوں کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر مشروط اطاعت کا مطلق حکم دیا گیا ہے، جو کسی خاص زمانے تک ہی محدود نہیں۔ آپ کی بیان کردہ جزئیات خود قرآن کریم کی تصریح کے مطابق حجت ہیں اور یوں یہ قرآن سے خارج نہیں، گو فرداً فرداً قرآن میں مذکور نہ ہوں۔ اگر سب جزئیات فرداً فرداً قرآن کریم میں مذکور ہوتیں تو اس کا حجم لاتعداد جلدوں پر محیط ہوتا۔ قرآن وحی متلو ہے، یعنی اس کی تلاوت بہ جائے خود مقصود ہے اور اسے زبانی یاد کرنا اس کی حفاظت کا بہت بڑا ذریعہ اور بہت بڑی فضیلت ہے۔ لوگوں کو اتنے بڑے حجم کے قرآن کی تلاوت اور زبانی یاد کرنے کے ذریعے اس کی صدری حفاظت میں سخت دشواری پیش آتی، بل کہ عادتاً یہ کام ان کے لئے محال ہوتا۔ نیز بہت سی جزئیات کا صحابہ کرامؓ کے بعد آئندہ امت تک یقینی قطعی کی بہ جائے ظنی ذرائع سے پہنچنا امت کے لئے باعث رحمت ہے۔ اس کی وضاحت آئندہ سطور میں مناسب مقام پر ہوگی۔

رابعاً یہ نام نہاد سنہری اصول قرآن کریم میں صاف صاف مذکور ہونا چاہئے تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال آپ کی دنیوی زندگی تک لوگوں کے لئے حجت ہیں۔ آپ کے انتقال کے بعد تمہارے حکم ران تمہارے لئے نئے حالات میں یہ مسائل خود وضع کرسکتے ہیں ان میں ترمیم کرسکتے ہیں یا نہیں چاہیں تو منسوخ کرسکتے ہیں۔ کیوں کہ منکرین حدیث کے خیال میں یہ تو اصولی مسئلے کی حیثیت سے ایک اہم کلیہ ہے۔ مگر اس کے باوجود قرآن کریم میں اس کا کوئی نام ونشان تک نہیں۔

خامساً یہ بعینہٖ وہی بدترین شرک ہے جس میں عیسائی مبتلا ہوئے۔ ان کے رومن کیتھولک چرچ میں پوپ کو مکمل (نام نہاد) تشریعی اختیارات حاصل ہیں، اس کا ہر نام نہاد دینی حکم خدا کا حکم ہے۔ قرآن کریم میں ان عیسائیوں کے متعلق ارشاد ہے:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ (۹۶)

ان (عیسائیوں) نے اپنے علماء اور درویشوں کے اور مسیح بن مریم کو اللہ کے ماسوا اپنا

رب بنالیا۔

ساری دنیا جانتی ہے کہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو زبان سے ابن اللہ یعنی اللہ کا بیٹا قرار دیتے ہیں اور انہیں خدائی اختیارات کا مالک سمجھتے ہیں لیکن کسی عیسائی نے اپنے کسی پوپ کو یا دیگر مذہبی رہنماؤں کو زبان سے خدا نہیں کہا۔ وہ یہی کہتے ہیں کہ پوپ خدا یسوع مسیح (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کا نمائندہ ہے اور اس کا حکم خدا ہی کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی کو ''رب بنانا'' قرار دیا ہے۔ انکارِ حدیث کی آڑ میں مرکز ملت کو ''اللہ ورسول'' قرار دے کر اسے ازخود یا اپنے ساتھیوں کے مشورے سے شرعی احکام وضع کرنے کے اختیارات سونپ کر اور یوں اسے پوپ سے بھی کہیں زیادہ مقدس قرار دے کر نظام پاپائیت قائم کرنے کا یہ حیلہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سوچی سمجھی سازش یا غیر شعوری مگر احمقانہ جسارت ہے۔ واضح رہے کہ عیسائیوں کا موجودہ نظام پاپائیت ''جمہوری انداز'' کا ہے جس میں مذہبی عہدے بانٹے جاتے ہیں اور پوپ کو منتخب کیا جاتا ہے۔

یہاں یہ شبہ باطل ہے کہ انجیل تو منحرف ہے جب کہ قرآن کریم منحرف نہیں اس لئے مرکز ملت کو جزئیات وضع کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ قرآن کریم کے مجمل احکام کو سمجھنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کے لئے مرکز ملت دنیا بھر کے عقلا کو بھی جمع کر لے تو حدیث رسول کے بغیر انہیں سمجھنا اور ان پر عمل پیرا ہونا خود قرآن کریم کی اپنی تصریح کے مطابق ممکن نہیں، جب کہ آئندہ سطور میں مناسب مقام پر اس کی وضاحت کی جائے گی۔

سادساً حکمران اعلیٰ کے ان تشریعی اختیارات کا علم نہ تو صحابہ کرامؓ کو ہوا نہ ہی تابعین اور تبع تابعین پر یہ راز منکشف ہوا اور نہ ہی بعد کے ادوار کے مسلمانوں کو اس کا کچھ پتہ چلا۔ کسی کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال ربیع الاول ۱۱ ہجری میں آپ کے انتقال کے بعد حجت نہ رہے، بل کہ معاذ اللہ بے کار ہو گئے اور یہ کہ ہر دور کے آئندہ حکمرانوں کو جزئیات وضع کرنے کے تشریعی اختیارات منتقل ہو گئے۔ سیکڑوں برس کے بعد اس راز کا علم صرف چند لوگوں (منکرین حدیث) کو ہوا۔ عقل سلیم کے مطابق یہی لوگ جھوٹے ہیں ورنہ پوری امت مسلمہ کو تو جاہل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اگر معاذ اللہ اس بات کو تسلیم کر لیا جائے تو ایسی امت کے ہاتھوں خود قرآن کریم کی حفاظت بھی مشکوک اور مشتبہ ہو گئی۔ قرآن کریم اخبار عن المغیبات (غیبی خبریں دینے) کے لحاظ سے بالاتفاق معجزہ ہے لیکن فصاحت وبلاغت کے لحاظ سے اس کا معجزہ ہونا ایسا

متفق علیہ نہیں کہ جسے آسانی سے سمجھا جا سکے اور قرآنی متن میں معمولی تغیر وتبدل سے اس کی وضاحت وبلاغت کا متاثر ہونا یا لوگوں کے علم میں آنا ضروری نہیں۔ الغرض اندریں صورت بھی قرآن کریم پر ایمان ممکن نہ رہا، لہٰذا امت جاہل نہیں بل کہ اس امت سے اپنا رشتہ کاٹنے والے یہ منکرین حدیث ہی باطل پر ہیں۔ قرآن کریم میں ہے:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝ (۷)

جو شخص بعد اس کے کہ ہدایت اس پر واضح ہو چکی، رسول کی مخالفت کرے اور مومنین کے راستے کے علاوہ کسی اور راستے کی پیروی کرے تو ہم اس کا رخ ادھر ہی پھیر دیں گے جدھر کا رخ اس نے خود کر لیا ہے، اور ہم اسے جہنم میں داخل کریں گے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

آیت کے نزول کے موقع پر موجود مومنین اصحاب رسول تھے۔ نہ تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقوال وافعال کو محدود مدت کے لئے حجت قرار دیا اور نہ ہی خلفائے راشدینؓ اور دیگر اصحابِ رسول ﷺ نے اس طرح کی کوئی تعلیم دی ورنہ ایسی تعلیم تو نہ صرف زبانی تواتر سے آئندہ نسلوں تک منتقل ہوتی بل کہ اس پر امت عمل بھی کرتی چلی آتی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی مخالفت کرنے والوں کے لئے آیت میں جہنم کی وعید ہے۔

مذکورہ بالا مباحث سے جب یہ دونوں شقیں باطل ہو گئیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول وفعل بھی حجت نہیں یا بعض اقوال وافعال تو حجت ہیں، بعض نہیں تو تیسری شق کا صحیح ہونا خود بہ خود ثابت ہو گیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال وافعال حجت ہیں۔ بالفاظ دیگر حدیث رسول ﷺ حجت ہے۔ وھو المطلوب

ب: منکرین حدیث کا دعویٰ ہے کہ چوں کہ قرآن کریم ایک مفصل کتاب ہے لہٰذا اسے سمجھنے کے لئے بہ قول ان کے حدیث کی ضرورت نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ قرآن کریم یا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلیم دیئے اور سمجھائے بغیر مفصل ہے یا آپ کی تعلیم، قولی ونسلی تفسیر وتبین سے مفصل ہوا ہے، اگر پہلی شق اختیار کی جائے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مسلّم وشارح کتاب ہونا معاذ اللہ بے کار ہوا، کیوں کہ اس صورت میں جو کتاب پہلے ہی مفصل ہے، منکرین حدیث کے اپنے عندیئے کے مطابق اس کی تفصیل بیان کرنا تحصیل حاصل کے سوا کچھ نہیں، حال آں کہ قرآن

کریم میں جابہ جااس مضمون کی آیات موجود ہیں کہ یہ رسول لوگوں کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اوران کے اخلاق کوسنوارتا ہے۔ نیز ارشاد ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَيْهِمْ (۸)

ہم نے آپ پر بھی قرآن نازل کیا ہے تا کہ آپ اس کو لوگوں کے سامنے صاف صاف بیان کردیں۔

اگر دوسری شق اختیار کی جائے اور کہا جائے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی وفعلی تعلیم وتشریح کے بعد قرآن مفصل ہوا کہ اس کے مجمل احکام ومسائل واضح ہوئے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل یعنی حدیث کا حجت ہونا بہ طریق احسن ثابت ہوگیا، نیز یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ اگر قرآن کریم کے مفصل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی تفسیر کی حاجت نہیں تو منکرین حدیث مثلاً غلام احمد پرویز نے ''معارف القرآن'' کے نام سے تفسیر کیوں لکھ ڈالی؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وفعل سے کتاب اللہ کی جو تشریح فرمائی ہے وہ تو (معاذ اللہ) بہ قول منکرین حدیث حجت نہیں اور منکرین حدیث کی تفسیر کے نام پر خرافات معتبر اور قابل قبول ہیں۔ کیا یہ توہین رسالت کی بدترین جسارت نہیں؟ اصل حقیقت یہ ہے کہ کسی کتاب کے مفصل ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اسے سمجھنے کے لئے کسی معلم کی ضرورت باقی نہیں رہی، مثلاً علم ہندسہ پر کوئی کتاب مکمل ومفصل ہو تو یہ سمجھ لینا کس قدر حماقت ہے کہ ایسی مفصل ومکمل کتاب کو ہر شخص از خود سمجھ لے گا اور کسی ماہر فن استاد سے رجوع کی ضرورت ہی نہیں۔ پھر کتاب کا معلم وشارح جو کچھ بتائے گا وہ کتاب کے متن کے علاوہ بھی بہت کچھ بتائے گا۔ یہ تو نہیں کہ وہ کتاب کے کسی مشکل مضمون کی وضاحت کے لئے خود اسی کتاب کی ورق گردانی کر کے کتاب ہی کا متن پڑھ دے اور اپنی طرف سے کچھ بھی نہ بتائے۔ الغرض کسی کتاب کے مفصل اور مکمل ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ایسی کتاب لازماً ہر پہلو اور ہر حیثیت سے اتنی آسان بھی ہو کہ معلم وشارح کی ضرورت نہ رہے، مثلاً قرآن کریم سے مسائل شرعیہ کا استنباط ہر کسی کا کام نہیں، گو اس کتاب سے پچھلی امتوں کے حالات پر غور کر کے نصیحت قبول کرنا آسان ہے۔

ج: اگر یہ کہا جائے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول وفعل (حدیث رسول) حجت تو ہے لیکن ہم تک مستند ذرائع سے نہیں پہنچا، لہٰذا ہم پر حجت نہ رہا، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن بھی مثلاً قرآن کریم میں مذکور مجمل احکام ومسائل کا سمجھنا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال

وافعال یعنی حدیث رسول پر موقوف ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو معاذ اللہ حدیث رسول کی ضرورت ہی نہ رہی اور اسے حجت قرار دینا ہی بے معنی ہوا۔ اگر قرآن فہمی حدیث رسول پر موقوف ہے اور حدیث محفوظ نہیں تو قرآن کریم نا قابل فہم ہوا اور اس کی حفاظت (معاذ اللہ) بے مقصد ٹھہری۔ یہی وجہ ہے کہ آیت

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ O (۹)

ہم نے ہی اس نصیحت کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

میں لفظ ''قرآن'' کی بجائے ''الذکر'' لایا گیا ہے۔ قرآن کریم نصیحت نامہ تب ہی کہلائے گا جب کہ یہ قابل فہم ہو، اور قابل فہم تب ہی ہوسکتا ہے جب کہ حدیث محفوظ ہو۔ پس جب قرآن الذکر (نصیحت) ہے تو حدیث محفوظ ہے اور اس کے محفوظ نہ ہونے کا دعویٰ جھوٹا ہے۔

کسی چیز کو لکھ لینا اس کی حفاظت کے لئے مفید تو ہے لیکن ناگزیر ہرگز نہیں۔ حفاظت کے اور ذرائع بھی ہوسکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کی لکھی ہوئی حالت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل نہیں ہوا پس وحی کا فی نفسہٖ مکتوبی ہونا ضروری نہیں۔ بعد میں صدری حفاظت کے ساتھ اس کی کتابی حفاظت کے پیش نظر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کاتبین وحی صحابہ کرامؓ سے لکھوایا۔ قرآن کریم کی حیثیت متن کی ہے اور حدیث اس کی قولی وفعلی شرح ہے۔ متن کی روایت باللفظ ہوا کرتی ہے جب کہ شرح میں روایت بالمعنی کی بھی گنجائش ہوتی ہے کہ معنی ومفہوم کا دوسروں تک پہنچانا اصل مقصود ہوتا ہے، گو بعض اوقات اصل الفاظ دوسروں تک منتقل نہ ہوں۔ اس حیثیت سے متن کو شرح پر فوقیت حاصل ہوتی ہے، چناں چہ پہلے پہل صرف قرآن کریم کی کتابت کرائی گئی۔ حدیث کی کتابت سے اس لئے منع کیا گیا کہ متن کا شرح سے التباس نہ ہو یعنی دونوں آپس میں گڈمڈ نہ ہوجائیں۔ جب یہ خدشہ جاتا رہا تو بعض صحابہ کرامؓ نے مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے احادیث بھی لکھیں۔ (۱۰) اس کے بعد تابعین اور تبع تابعین کے دور میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ تیسری صدی ہجری میں صحاح ستہ وغیرہ احادیث پر مستند کتب لکھی گئیں۔ سچے اور جھوٹے راویوں کی پہچان کے لئے اسماء الرجال کا فن مدون ہوا اور حدیث کی حفاظت کے لئے دیگر کئی متعلقہ علوم حدیث مدون ہوئے۔ تدوین حدیث کی تاریخ اور علوم حدیث کے مطالعے سے بہ خوبی واضح ہوجاتا ہے کہ امت محمدیہ نے حدیث کی حفاظت کا حق ادا کردیا اور کھرے کو کھوٹے سے الگ کر دکھایا۔ لہٰذا حدیث کے ہم تک مستند

ذرائع سے نہ پہنچنے کا دعویٰ عقلاً ونقلاً دونوں طرح باطل اور مردود ہے۔

یہ شبہ باطل ہے کہ حدیث چوں کہ بالاتفاق ظنی ہے، لہٰذا حجت نہیں۔ ظن کا لفظ قرآن کریم میں تین معانی ''یقین استدلالی یا نظری، گمانِ غالب، اٹکل اور اندازہ'' میں مستعمل ہے، مثلاً سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے:

وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ O الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ (۱۱)

نماز بھاری عبادت ہے لیکن ان خشوع کرنے والوں پر بھاری نہیں ہے جو یہ ظن رکھتے ہیں کہ ان کی ملاقات ان کے رب سے ہونے والی ہے۔

آیت میں ''یظنون'' سے مراد ہے کہ انہیں اپنے رب سے ملاقات کا یقین دلائل کی بنا پر حاصل ہے، ورنہ اگر اس ملاقات میں شک ہو یا اس ملاقات کا محض غالب گمان ہو تو ایسا شخص تو سرے سے مسلمان ہی نہیں۔ ظن کا لفظ گمان غالب کے معنی میں بھی آیا ہے، مثلاً سورۂ نور میں ارشاد ہے:

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ O (۱۲)

جب تم نے (حضرت عائشہؓ کے متعلق) یہ (بہتان) سنا تھا تو مومنین نے اپنے دلوں میں اچھا ظن کیوں نہ قائم کیا اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ صریح جھوٹ اور بہتان ہے۔

یہاں ''ظن المومنون'' میں ظن بہ معنی گمان غالب ہے، ورنہ اگر حضرت عائشہ صدیقہؓ کی برأت نزول وحی سے پہلے یقینی وقطعی ہوتی تو خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیوں پریشان ہوئے؟ اس سے ظن کا معتبر ہونا اور موجب عمل ہونا بھی بہ خوبی ثابت ہو گیا ورنہ بہتان لگانے والوں پر حدّ قذف جاری نہ کی جاتی اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کے متعلق حسن ظن قائم نہ کرنے پر سخت تنبیہ نہ کی جاتی۔ حدیث کو ظن کے ان ہی مذکورہ بالا دونوں معانی کے لحاظ سے ظنی کہا جاتا ہے، لہٰذا حدیث کے حجت نہ ہونے کا شبہ باطل ہے۔ ہر یقینی خبر معتبر ہوتی ہے لیکن ہر معتبر خبر کا یقینی ہونا ضروری نہیں بل کہ کسی خبر کے صحیح ہونے کا گمان غالب (ظن) بھی اسے معتبر بنانے کے لئے کافی ہے، یعنی خبر وروایت کی صحت خواہ یقینی قطعی ہو یا ظنی بہ معنی گمان غالب ہو، دونوں صورتوں میں خبر وروایت کو معتبر اور مستند سمجھا جائے گا، جب کہ معاملہ احکام کا ہو۔ عقائد کے لئے یقینی قطعی درکار ہے، یہاں ظن بہ معنی یقین استدلالی تو کارآمد ہے بہ معنی گمان غالب کارآمد نہیں۔ احکام میں ظنی خبر بھی معتبر

ہے، مثلاً شرعی امور میں دو معتبر اشخاص اور بعض حالات میں ایک معتبر شخص کی شہادت ہی کافی ہے، حال آں کہ ایک یا دو اشخاص کی خبر بہ وجہ خبر واحد ہونے کے ظنی ہے۔ باقی رہا یہ شبہ کہ دین کے تمام اصول وفروع یقینی وقطعی کیوں نہیں، تو جواب ہے کہ اصول یعنی عقائد سب کے سب یقینی قطعی ہیں۔ کفر واسلام کا فرق پیدا کرنے والے کسی عقیدے کی بنیاد ظن بہ معنی گمانِ غالب پر نہیں رکھی جاتی البتہ فروغ کے لئے یقین قطعی حاصل ہو جائے تو بہتر، ورنہ ظن بہ معنی گمان غالب بھی انہیں معتبر بنانے کے لئے کافی ہے۔ دنیا کے کسی بھی علم وفن کے سب کے سب مسائل ہمیشہ یقینی قطعی نہیں ہوا کرتے بل کہ بہت سے ظنی بھی ہو سکتے ہیں۔ یہی حال علوم دینیہ کا بھی ہے۔ نیز اگر دین کی سب باتیں یقینی وقطعی ہوتیں تو ان پر عمل کرنے میں کوتاہی بہت زیادہ موجب گرفت ہوتی اور ان میں سے کسی کا بھی انکار کرنے والا اسلام سے خارج ہو جاتا۔ اس لئے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ کرم اور احسان ہے کہ کچھ دینی فروع (احکام) ظنی ہیں۔ جن کا انکار کرنے والا کافر نہیں گو فاسق وفاجر ہو۔ تعمیل کرنے کے لحاظ سے یقینی وقطعی ذرائع سے حاصل ہونے والے دینی احکام ان احکام کی نسبت سخت تر ہیں جو ظنی ذرائع سے لوگوں تک پہنچے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب تک حدیث رسول چند در چند راویوں کے ذریعے نہیں پہنچی بل کہ وہ اکثر وبیشتر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہ راہ راست ہدایت حاصل کرتے تھے، لہٰذا ان کے لئے دینی مسائل اکثر وبیشتر یقینی وقطعی تھے، ظنی نہ تھے۔ اسی لئے دین پر عمل کرنے میں ان کی ذمے داری دیگر افراد امت کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھی، اسی لئے تو ان کا مقام ومرتبہ بھی بہت بہت بلند وبالا ہے۔ سارا قرآن ان کی مدح کے مضامین سے بھرا پڑا ہے۔ دیگر افراد امت کے مقابلے میں خلفائے راشدینؓ کو خصوصاً اور دیگر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو عموماً نہایت بلند امتیازی درجہ حاصل ہے۔ ان کا بعض دینی کاموں پر اجماع مثلاً بیس رکعت نماز تراویح کا رمضان المبارک میں باجماعت اہتمام دین میں زبردست حجت ہے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا قطعاً غلط ہے کہ بعد کے حکم رانوں کو ازخود جزئیات طے کرنے کی آزادی حاصل ہوگئی ہے، جہاں تک اجماع کا تعلق ہے تو صحابہ کرامؓ کے بعد کے ادوار کے مسلمانوں کا اجماع بھی دین میں حجت ہے، لیکن کسی نام نہاد مرکز ملت کے مفروضہ تشریعی اختیارات سے اس کا دور دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ الغرض احادیث کا بڑا حصہ گو فرداً فرداً ظنی ہے لیکن مجموعی حیثیت سے حجت ہے اور قرآن کریم کی واضح نصوص کے مطابق رسول کی اطاعت سے، دل وزبان دونوں سے یا دل سے انکار کفر، لہٰذا حدیث رسول کی حجت کا منکر دائرہ

اسلام سے خارج ہے۔

ظن کا تیسرا معنی اٹکل اور اندازے کا ہے۔ اس معنی میں ظن مذموم ہے۔ قرآن کریم میں اسی ظن کو مذموم و مردود ٹھہرایا گیا ہے۔ حدیث اس معنی میں ظنی ہے ہی نہیں، لہٰذا منکرین حدیث کا استدلال صحیح نہیں۔

جھوٹے راویوں سے موضوع اور ضعیف راویوں سے ضعیف احادیث بھی مروی ہیں لیکن ان کی وجہ سے پورے ذخیرہ احادیث کو غیر معتبر قرار دینا درست نہیں۔ اگر سچی احادیث موجود نہ ہوتیں اور امت مسلمہ میں ان کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوتی تو جھوٹی احادیث اور روایات وضع کرنے کا جھوٹے راویوں کو خیال ہی کیوں آتا؟ بازار میں کھوٹے سکے موجود ہوں اور کچھ لوگ دھوکے سے انہیں قبول بھی کر لیں تو ان کھوٹے سکوں سے کھرے سکوں کی قدر و قیمت ہرگز متاثر نہیں ہوتی۔

حجیت حدیث کے متعلق بعض شبہات کا ازالہ

مذکورہ بالا مباحث میں منکرین حدیث کے پیدا کردہ کئی شبہات کا جواب ضمناً مذکور ہے۔ چند دیگر شبہات زیر بحث لائے جاتے ہیں۔

الف: کسی بھی روایت کی صحت کو پرکھنے کے لئے محدثین نے اصولِ روایت متعین کئے ہیں تو اصول روایت سے بھی کام لیا ہے یعنی یہ بھی دیکھا ہے کہ روایت مسلمہ عقلی تقاضوں کے خلاف نہ ہو لیکن اس طرح کا فیصلہ کرنا ماہرین فن علماء کا کام ہے، جہلا کا نہیں۔ لہٰذا اس طرح کے شبہات باطل ہیں کہ مثلاً بعض احادیث معاذ اللہ بے حیائی کے مضامین پر مشتمل ہیں۔ شرعی اور سماجی ضرورت کے تحت جنسی مسائل اور ان کا ذکر بے حیائی نہیں ورنہ خاوند اور بیوی کے جنسی تعلق کو سب سے بڑی ''بے حیائی'' قرار دینا، طبی درس گاہوں میں علم تشریح الاعضاء (اناٹومی) اور علم افعال الاعضاء (فزیالوجی) کے تحت مردانہ و زنانہ نظام تولید کو بالتفصیل زیر بحث لانے کو بے حیائی میں داخل کرنا ہوگا۔ فقہ و قانون کی تعلیم میں اور عدالتوں میں حسب ضرورت جنسی امور سے متعلق مسائل، حوادث اور واقعات کو زیر بحث لانا بھی بے حیائی قرار پائے گا۔ خود قرآن کریم میں جنت کے حور و غلمان کے حسن کا جو تذکرہ موجود ہے (معاذ اللہ) اسے بھی قابل اعتراض ٹھہرانا ہوگا۔

یا مثلاً بعض احادیث میں اس طرح کے مضامین بھی قابل اعتراض نہیں کہ سورج اللہ تعالیٰ کو

سجدہ کرتا ہے۔ یہاں سجدے سے تکوینی سجدہ (قانون فطرت کے مطابق خالق کائنات کی فرماں برداری) مراد ہے، نماز والا تشریعی سجدہ مراد نہیں۔ قرآن کریم میں بھی ستاروں اور درختوں کے متعلق سورہ رحمٰن میں ارشاد ہے:

وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِO (۱۳)

ستارے اور سورج (اللہ تعالیٰ کو) سجدہ کرتے ہیں۔

ب: علم یعنی یقینِ قطعی کے ذرائع یا بالفاظ دیگر ''اسبابِ علم'' تین ہیں۔ حواس سلیمہ، عقل اور خبر صادق۔ خبر صادق کی دو قسمیں خبر متواتر اور خبر رسول (وحی) ہیں۔ جو باتیں محض عقل اور حواس سے معلوم نہیں ہوسکتیں تو خبر صادق کا سہارا لینا پڑے گا، جس میں وحی بھی شامل ہے، مثلاً صرف حواس اور عقل سے یہ ہرگز معلوم نہیں ہوسکتا کہ اقامتِ صلوٰۃ سے کیا مراد ہے؟ نمازوں کی رکعات کی تعداد، نماز پڑھنے کا طریقہ، نمازوں کے اوقات، اذان واقامت کے الفاظ وکلمات وغیرہ محض حواس اور عقل سے معلوم نہیں ہوسکتے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کی دینی رہ نمائی وحی کے ذریعے فرمائی ہے، بالفاظ دیگر حدیث رسول بھی وحی ہے۔ چوں کہ تینوں اسباب علم کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، لہٰذا انسان کو جس ذریعے سے بھی علم حاصل ہو، علم سکھانے کی نسبت اللہ تعالیٰ اپنی طرف کرلیتا ہے مثلاً ارشاد ہے:

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْO (۱۴)

اس نے انسان کو وہ کچھ سکھایا جسے وہ (پہلے) نہیں جانتا تھا۔

تو یہ ''سکھانا'' ضروری نہیں کہ ہر حال میں اصطلاحی وحی کے ذریعے ہی ہو۔ سورہ مائدہ میں شکاری کتوں کے ذریعے شکار کرنے کے شرعی مسئلے کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ (۱۵)

تم ان (شکاری کتوں) کو سدھاتے ہو اس علم کے ذریعے جو اللہ نے تمہیں دیا ہے۔

شکاری کتوں کو سدھانے کے جو طریقے انسانوں کو معلوم ہیں وہ انہیں وحی کے ذریعے نہیں بتائے گئے بل کہ حواس کے ذریعے مشاہدے اور تجربے سے اور عقل کے ذریعے غور وفکر سے یہ طریقے انسانوں کو معلوم ہوئے ہیں۔ چوں کہ حواس اور عقل کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے لہٰذا انسان ان دونوں ذرائع سے جو علم حاصل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے اپنی طرف منسوب کرلیتا ہے کہ یہ علم اللہ تعالیٰ نے سکھایا ہے۔ سورہ بقرہ میں ہے کہ جب عورتیں حیض کی آلودگی سے بالکل پاک اور صاف

ہو جائیں تو تم ان کے پاس آؤ، جہاں سے اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے یعنی اجازت دی ہے:

فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ (۱۶)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس طرح کی اجازت یا حکم سے مراد ایسی اجازت نہیں جو انسان کو بہ ذریعہ وحی حاصل ہوئی ہو، بل کہ جنسی خواہش انسانوں اور دیگر حیوانات کی جبلی وفطری خواہش ہے اور انسانی عقل کو اس کا پورا پورا ادراک حاصل ہے۔ اس طرح کی آیات سے منکرین حدیث نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ قرآن کریم کے علاوہ کوئی اور وحی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل نہیں ہوئی۔ قرآن کریم کے علاوہ رسول اکرم ﷺ کو جو کچھ معلوم ہوا وہ عام اسباب کے تحت حواس اور عقل سے معلوم ہوا۔ حال آں کہ سب علوم محض عقل وحواس وتجربے ومشاہدے ہی سے حاصل نہیں ہوتے، بل کہ خبر وروایت حصول علم کا سب سے بڑا اور اہم ذریعہ ہے، مثلاً سورہ بقرہ کے دوسرے پارے کے پہلے دو رکوع سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان پہلے کسی اور قبلے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے، بعد میں انہیں خانہ کعبہ (مسجد حرام) کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ احادیث سے ساری صورت حال واضح ہو جاتی ہے کہ یہ قبلہ اول بیت المقدس تھا۔ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کے حکم کا علم محض حواس اور محض عقل سے ہرگز نہیں ہو سکتا تھا، یہ حکم بہ ذریعہ وحی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا مگر قرآن کریم میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا کوئی حکم موجود نہیں، پس ثابت ہوا کہ آپ پر قرآن کریم کے علاوہ بھی وحی نازل ہوتی تھی۔ اگر آپ نے بیت المقدس کو وحی کے بغیر محض اپنی عقل اور رائے سے قبلہ ٹھہرا لیا تھا تو خانہ کعبہ کو قبلہ بنانے کے لئے آپ کو وحی کے انتظار کی کیا ضرورت تھی کہ آپ بڑی بے تابی سے تحویل قبلہ کے لئے وحی کا انتظار فرماتے رہے۔ (۱۷) خانہ کعبہ کو بھی آپ اپنی عقل سے ہی قبلہ ٹھہرا لیتے۔ نیز اگر وحی کے بغیر عقل ہی سے شرعی احکام وضع کرنے کی گنجائش ہوتی تو بعثتِ رسول کی سرے سے ضرورت ہی کیا تھی؟ قیاس شرعی کے ذریعے مجتہدین اور فقہا جو احکام معلوم کرتے ہیں تو اس قیاس کی بنیاد قرآن وسنت پر رکھی جاتی، یعنی جو احکام قرآن وسنت میں مخفی تھے، قیاس کے ذریعے ظاہر ہو گئے۔ الغرض شرعی مسائل وحی کے بغیر معلوم نہیں ہوتے اور صاحب وحی صرف پیغمبر ہوتا ہے لہٰذا یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ مسلمانوں کا حاکم اعلیٰ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان فرمودہ جزئیات یا آپ کے قول سے ثابت شرعی مسائل کو معاذ اللہ مسترد کر کے خود ''شارع'' بن جائے گا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اگر وہ دینی مسائل کو منسوخ اور فرسودہ outdated

قرار دے کر صرف اپنی عقل سے ہی یا دوسروں کے ساتھ مشورے سے ہی طے کرے گا تو عیسائیوں کے پوپ کی طرح ''خدا کا خود ساختہ نمائندہ'' بن جائے گا۔ اسی لئے منکرین حدیث نام نہاد مرکزِ ملت کو خدا کا خود ساختہ نمائندہ یوں قرار دیتے ہیں کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی اللہ اور رسول کی اطاعت کا ذکر آیا ہے، وہاں بہ قول ان کے مرکز ملت مراد ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہ قول ان کے پہلے مرکز ملت تھے، بعد کے مراکزِ ملت دینی جزئیات خود ہی طے کیا کریں گے، خواہ از خود طے کریں یا دوسروں کے مشورے سے کریں اور ان مراکز ملت کی اطاعت ''اللہ اور رسول'' کی اطاعت سمجھی جائے گی۔ یہی وہ پاپائیت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے شرک قرار دیا ہے۔

الغرض دینی جزئیات مثلاً حلال وحرام کی تفصیل وحی کے بغیر ممکن نہیں ورنہ مختلف ادیان اور مذاہب میں حلال وحرام کے متعلق شدید اختلافات نہ پائے جاتے یا بحث وتمحیص سے یہ اختلافات دور ہو جاتے۔ مثلاً بول وبراز کا حرام ہونا بھی محض عقل سے معلوم ہو سکتا تو ہندو حضرات گائے کے پیشاب کو متبرک نہ جانتے اور اخباری اطلاعات کے مطابق بھارت کے ایک سابق وزیر اعظم مرار جی ڈیسائی اپنا پیشاب نہ پیا کرتے اور اسے رسائن (اکسیر صحت) قرار نہ دیتے۔ علاج بالبول Urine Therapy زیر بحث نہ آتا۔ کتے، گیدڑ، بلی، چوہے اور بول وبراز وغیرہ کا حرام ہونا قرآن کریم سے واضح نہیں تو منکرین حدیث کے لئے یہ سب چیزیں حلال ہونی چاہئیں۔ پس قرآن کریم کے بعد حدیث رسول بھی نہایت اہم مأخذ شریعت ہے۔ حدیث وحی غیر متلو ہے یعنی اس کی تلاوت بہ جائے خود مقصود نہیں۔ حدیث کا مفہوم من جانب اللہ (وحی) ہے، الفاظ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں اور حدیث کے بیان کرنے میں روایت بالمعنی کی بھی گنجائش ہے، گو حتی الامکان حضرات صحابہ کرامؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا فرمودہ کلمات کی حفاظت کی ہے۔ چناں چہ اکثر احادیث میں اسناد کے وسیع اختلاف کے باوجود متن میں حیرت انگیز مشابہت بل کہ یک سانیت پائی جاتی ہے۔ قرآن کریم وحی متلو ہے اس کا سمجھنا سمجھانا اور اس پر عمل کرنا ہی مقصود نہیں بل کہ اس کی تلاوت بھی مقصود بالذات ہے، کیوں کہ اس کے الفاظ اور کلمات اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں، اسی لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کتابت بہ طور خاص کاتبین وحی سے کرائی، جب کہ اسے اور اس کی تشریحات (حدیث) کو آئندہ نسلوں تک پہنچانے کی ذمے داری حسب حیثیت سب اصحابِ رسول پر ڈالی گئی۔

ج: کسی حکم کی عدم تعمیل سے یہ نتیجہ اخذ کرنا قطعاً غلط ہو سکتا ہے کہ تعمیل نہ کرنے والا حاکم کے

حکم کو یعنی معتبر اور قابل عمل ہی نہیں سمجھتا۔ بعض اوقات کسی حکم کے الفاظ وکلمات بذات خود مقصو
نہیں ہوتے بل کہ نظر اس مصلحت اور فائدے پر ہوتی ہے جو اس حکم کا منشا ہوتا، اگر یہ فائدہ او
مصلحت حکم کی تعمیل کے بغیر پہلے ہی حاصل ہو جائے تو عدم تعمیل بعض صورتوں میں جائز، بعض
صورتوں میں بہتر اور بعض صورتوں میں واجب ہوتی ہے، مثلاً غزوہ بنونضیر میں رسول اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم نے یہودیوں کے کھجوروں کے باغات کے درخت کاٹنے کا حکم صادر فرمایا تھا، لیکن بعض
اصحاب نے یہ درخت اس لئے نہیں کاٹے کہ ان کے دیگر ساتھیوں نے جو درخت کاٹے ہیں، ا
سے یہودیوں کو مرعوب ومغلوب کرنے کا مقصد پورا ہو چکا ہے۔ جو درخت کاٹے نہیں گ
ہیں، بعد میں مسلمانوں ہی کے کام آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ حشر میں درخت کا
والوں اور نہ کاٹنے والوں دونوں کے عمل کی تصویب فرمائی ہے۔(۱۸)

دوسری مثال یہ ہے کہ مقوقس شاہ مصر نے جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں
ماریہ قبطیہؓ کو بہ طور تحفہ ارسال تو ان کے ساتھ ان کا ایک چچازاد بھائی (جس کا نام مابور تھا) بھی بھ
دیا۔ چوں کہ سابقہ تعارف کے علاوہ یہ حضرت ماریہ قبطیہؓ کے چچازاد بھائی بھی تھے اور شر
لونڈیوں کے لئے پردے کے احکام بھی سخت نہ تھے، اس لئے یہ حضرت ماریہؓ کے پاس آتے جا
رہتے تھے۔ منافقین کو تہمت لگانے کا موقع ہاتھ آ گیا اور بات اس قدر پھیلی کہ رسول اکرم صلی ا
علیہ وسلم کو بھی سن کر غصہ آیا اور غیرت کی بنا پر آپ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ وہ مابور کو قتل کر دیں
حضرت علیؓ نے اسے تلاش کیا۔ قتل کرنا ہی چاہتے تھے کہ اتفاقاً جب مابور کا کپڑا اٹھا تو پتہ چلا کہ و
مردانہ صفات سے عاری ہے۔ چناں چہ حضرت علیؓ نے اسے قتل نہ کیا اور رسول اکرم صلی اللہ عل
وسلم کو سارا واقعہ سنایا تو آپ نے فرمایا کہ حاضر وہ کچھ دیکھ لیتا ہے جو غائب نہیں دیکھ پاتا، یع
شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ اسی طرح حضرت علیؓ ہی سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
ایک خادمہ سے بدکاری کا فعل سرزد ہو گیا تو آپ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ اس عورت کو کوڑ
لگائے جائیں، مگر حضرت علیؓ کو معلوم ہوا کہ عورت حالت نفاس میں ہے۔ اسے کوڑے اس لئے
لگائے کہ وہ کہیں مر نہ جائے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قصہ سن کر فرمایا کہ اے علیؓ! تو
اچھا کام کیا۔(۱۹) کبھی کسی حکم کی تعمیل نہ کرنے کا سبب یہ ہوتا ہے کہ جس کے ذمے حکم کی تعمیل ہو
ہے وہ سمجھتا ہے کہ تعمیل خلافِ ادب ہے مثلاً جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ سے
نامہ حدیبیہ لکھوا رہے تھے تو قریش مکہ کے سفیر نے صلح نامہ میں ''رسول اللہ'' کے الفاظ پر اعترا

کیا۔ آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ یہ لفظ کاٹ دو، لیکن حضرت علیؓ نے معذرت کی کہ یہ جسارت مجھ سے نہیں ہوسکتی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لفظ خود کاٹ دیا، کیوں کہ حقیقت تحریر کی محتاج نہیں ہوا کرتی۔

کبھی عدم تعمیل کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ جسے تعمیل کا حکم دیا ہوتا ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ حکم کی تعمیل اس کے بس کی بات نہیں۔ وہ خوف زدہ ہوتا ہے کہ حکم کی تعمیل پر رضامندی ظاہر کردی تو ایسا نہ ہو کہ وہ تعمیل نہ کرسکے اور شرمندہ ہونے کے ساتھ ساتھ پشیمان بھی ہونا پڑے، مثلاً سورۂ احزاب میں ہے:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ (۲۱)

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین پر اپنی امانت پیش کی لیکن انہوں نے اس بارِ امانت کو اٹھانے سے انکار کردیا اور وہ ڈر گئے۔

کبھی کسی حکم کی تعمیل نہ کرنے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ جسے حکم دیا گیا ہو وہ اس حکم کو بھاری سمجھتا ہو اور حکم دینے والے سے رعایت کا طالب ہو یا نظرِ ثانی کی درخواست کرے، مثلاً سورۂ مجادلہ کی ابتدائی آیات کا مضمون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ سے یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے خاوند کے بارے میں مجادلہ کررہی تھی اور اللہ سے اپنی مصیبت کی شکایت کررہی تھی۔ یہ قصہ حضرت خولہؓ کا ہے جن سے ان کے خاوند نے ظہار کیا تھا مگر ظہار کے متعلق شرعی احکام ابھی نہیں آئے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں جس عورت سے ظہار کیا جائے وہ اپنے خاوند پر حرام سمجھی جاتی تھی۔ آپ نے حضرت خولہؓ سے فرمایا تھا کہ تم اپنے شوہر پر حرام ہوگئی ہو وہ یہ سن کر واویلا کرنے لگیں کہ میری جوانی اس شوہر کی خدمت میں گزر گئی اب میں بڑھاپے میں کہاں جاؤں؟ میرا اور میرے بچوں کا کیا بنے گا؟ ایک روایت میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تمہارے بارے میں مجھے ابھی کوئی حکم نہیں دیا گیا ہے۔ الغرض حضرت خولہؓ کا اپنے خاوند کے بارے میں واویلا کرنا اور جھگڑنا اس لئے تھا کہ ان کے معاملے میں رعایت کی جائے۔ (۲۲) اسی طرح جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرشتوں کے ذریعہ بتایا گیا کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب آئے گا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مجادلہ اور بحث ومباحثہ شروع کردیا کہ ابھی قوم لوطؑ پر عذاب نازل نہ کیا جائے۔ (۲۳)

کبھی عدم تعمیل کا سبب یہ ہوتا ہے کہ صیغہ امر سے جو حکم دیا جاتا ہے وہ امر وجوبی نہیں ہوتا کہ اس کی تعمیل ضروری ہو، بل کہ وہ امر اباحت یا امرِ استحبابی ہوتا ہے، مثلاً قرآن کریم میں ہے:

وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا (۲۴)

(مناسک حج وعمرہ پورے کرنے کے بعد) جب تم احرام بل کہ کھولو تو شکار کرلیا کرو۔

تو احرام کھولنے کے بعد یہ شکار کھیلنا فرض یا واجب نہیں بل کہ جائز اور مباح ہے۔ نیز سورۂ بقرہ میں ہے کہ خرید وفروخت اور ادھار کے معاملات لکھ لیا کرو (۲۵) تو یہ لکھنا مستحب اور بہتر ہے، فرض یا واجب نہیں۔

کبھی عدم تعمیل اس لئے ہوتی ہے کہ حکم سے صرف مشورہ دینا مقصود ہوتا ہے اور جسے مشورہ دیا جائے وہ اسے قبول کرنے کا پابند نہیں ہوتا۔ مثلاً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبنیٰ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ اپنی بیوی حضرت زینبؓ کو روکے رکھو اور اسے طلاق نہ دو، مگر حضرت زیدؓ نے بعد میں طلاق دے دی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت زینبؓ کا نکاح خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا لیکن طلاق دینے پر حضرت زیدؓ کو گناہ گار نہیں ٹھہرایا گیا (۲۶) کبھی عدم تعمیل کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ حکم کی حاکم کی طرف نسبت یقینی نہیں ہوتی کہ واقعی حاکم نے یہ حکم دیا ہے۔

کبھی عدم تعمیل کا سبب یہ ہوتا ہے کہ حکم کا مطلب اور منشا سمجھنے میں غلطی ہوجاتی ہے یا اختلاف رائے ہوجاتا ہے یا حکم کی اپنے معنی ومفہوم پر دلالت یقینی اور قطعی نہیں ہوتی بل کہ ظنی ہوتی ہے، اس لئے اختلاف رائے پیدا ہوجاتا ہے۔

کبھی تعمیل نہ کرنے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ تعمیل نہ کرنے والا محض غفلت اور لاپرواہی وتساہل کی وجہ سے تعمیل نہیں کرتا لیکن وہ حاکم کی حاکمیت کا اور اس کے حکم کا انکار نہیں کرتا اور اپنے قصور کا اقرار واعتراف کرتا، مثلاً بہت سے مسلمان نماز روزہ وغیرہ شرعی احکام سے غافل ہیں۔

کبھی عدم تعمیل کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ حاکم کی حاکمیت اور اتھارٹی کو چیلنج کرنا مقصود ہوتا ہے۔ بلاشبہ یہ صورت بغاوت، سرکشی اور غداری کی ہے۔

اس وضاحت سے یہ معلوم ہوا کہ ہر عدم تعمیل مذموم نہیں ہوا کرتی۔ کسی حکم کو حجت نہ سمجھنا اور بات ہے اور اس پر عمل نہ کرنا اور بات۔ اس باریک فرق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے یا دھوکہ دینے کی غرض

سے منکرین حدیث نے صحابہ کرامؓ کی طرف سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض احکامات کی ظاہری عدم تعمیل سے یہ غلط استدلال کیا کہ (معاذ اللہ) حدیث رسول سرے سے حجت ہی نہیں۔ دوسری طرف بعض ظاہر بین سوچے سمجھے بغیر ہر عدم تعمیل پر معترض ہوتے ہیں۔ الغرض اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم کی بعض یا سب اصحاب نے کسی خاص موقع پر تعمیل نہ کی ہو تو اس سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ صحابہ کرامؓ معاذ اللہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو حجت ہی نہ سمجھتے تھے یا دوسروں کے لئے حدیث کو حجت نہ سمجھنے کا کوئی جواز یا بہانہ حاصل ہو گیا ہے۔

۵: پیغمبر اللہ تعالیٰ سے بہ ذریعہ وحی جو کچھ بھی حاصل کرتا ہے، اس پر عمل کرنے کا وہ سب سے پہلے مکلف اور پابند ہوتا ہے۔ (۲۷) تاکہ وہ دوسروں کے لئے نمونۂ عمل بنے (۲۸) اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول و فعل دراصل کتاب اللہ (قرآن کریم) ہی کی عملی تشریح و تبیین ہے۔ خواہ ایسا کرتے ہوئے آپ قرآن کریم کی کسی خاص آیت یا خاص کلمے کا حوالہ نہ بھی دیں۔ بعض مواقع پر آپ نے قرآن کریم کے کسی خاص مضمون کا حوالہ دے کر کچھ فرمایا تو محدثین نے آپ کے ایسے اقوال یعنی احادیث کو ''تفسیر'' کے عنوان کے تحت اپنی مؤلفات میں جگہ دی۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ باقی عنوانات سے تفسیر قرآن مقصود نہیں ہے۔ نیز احادیث کی یہ عنوان بندی محدثین نے اپنے اپنے مؤلفات میں اپنے اجتہاد اور رائے سے کی ہے۔ عنوان بندی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمائی کہ یہ غلط نتیجہ اخذ کیا جائے کہ اگر سب احادیث رسول کی حیثیت تفسیر قرآن کی ہوتی تو کتب حدیث میں ''تفسیر'' کا الگ عنوان قائم نہ کیا جاتا۔ مثلاً طہارت، وضو، غسل، نماز، زکوٰۃ، حج، روزہ، جہاد، نکاح، طلاق وغیرہ وغیرہ کے عنوانات خواہ کتب حدیث میں ہوں یا کتب فقہ میں ہوں، ان سے مقصود قرآن کریم کے مجمل احکام کی تشریح و توضیح ہی تو ہے۔

فتدبر و تشکر

حوالہ جات

۱۔ الشوریٰ:۲۱

۲۔ الشوریٰ:۵۱

۳۔ الصافات:۱۰۲

۴۔ النساء:۵۹

۵۔ الذاریات:۵۶

۶۔ التوبۃ:۳۱

۷۔ النساء:۱۱۵

۸۔ النحل:۴۴

۹۔ الحجر:۹

۱۰۔ سنن ابوداؤد: کتاب العلم

۱۱۔ البقرہ:۶۴،۶۵

۱۲۔ النور:۱۲

۱۳۔ الرحمٰن:۶

۱۴۔ العلق:۵

۱۵۔ المائدۃ:۴

۱۶۔ البقرہ:۲۲۲

۱۷۔ البقرہ:۱۴۴

۱۸۔ الحشر:۵

۱۹۔ مولانا سرفراز خاں صفدر۔اثبات التقلید،نصرۃ العلوم،گوجرانوالہ:صفحات ۱۹۵۔۱۹۶

۲۰۔ شبلی نعمانی۔سیرۃ النبی ﷺ،محمد سعید اینڈ سنز قرآن محل مولوی مسافر خانہ: ج۱،ص ۴۵۵

۲۱۔ الاحزاب:۷۲

۲۲۔ مختصر تفسیر ابن کثیرؒ۔محمد علی الصابونی اختصار وتحقیق ۔ بیروت، دارالقرآن الکریم: ج۳،ص ۵۹ ۴۵۸۔حاشیہ تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانیؒ۔سورہ مجادلہ

۲۳۔ ہود:۸۴

۲۴۔ المائدہ:۲

۲۵۔ البقرۃ:۲۸۲

۲۶۔ الاحزاب:۳۷

۲۷۔ الانعام:۱۴،۱۶۳

۲۸۔ الاحزاب:۲۱